

## قرآن کی نظر میں دینی ثقافت کا مقام اور اہمیت

سید رمیزا الحسن موسوی \*

Srhm2000@yahoo.com

**کلیدی کلمات:** ثقافت، تہذیب، اعتقادات، اقدار، عرب معاشرہ، تعلیم و تربیت

### خلاصہ

انسانی زندگی کا شفافی پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر انسان کی ثقافت گم ہو جائے تو زندگی کے دوسرے پہلو بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ ثقافت سے ہی اجتماعی زندگی میں انسان کی شاخت ہوتی ہے۔ دانشوروں کے مطابق ”ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرزِ عمل کا نام ہے۔“ البتہ آج تک ثقافت یا لکھر کی کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی۔ ثقافت کو تکمیل دینے والے عناصر میں سب سے اہم عرصہ عقائد و نظریات ہیں۔ مختلف اقوام میں گھری تبدیلیاں، عقائد و نظریات کی تبدیلی کے ساتھ ہی رونما ہوتی ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے مبھوث ہونے سے عربوں کے عقائد بدلتے ہیں اور عقائد بدلتے سے ان کی ثقافت میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ ثقافت اور سرہنما و آداب جیسے کلمات کے ساتھ اسلام کے لامتحق سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اسلام سے اخذ کی گئی ہیں۔ جب کسی معاشرے پر دینی و قرآنی اعتقادات کی حاکیت ہو تو ایسا معاشرہ قرآنی و اسلامی ثقافت کے تابع ہو گا اور اس کا کوئی بھی شفافی فعل قرآنی تعلیمات کے مٹا نہیں ہو گا۔

قرآن کی نظر میں خدا کے برگزیدہ بندے ہی انسانی ثقافت کے سریست قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معاشروں کے شفافی امور کی ذمہ داری قبول کرنے والوں کو برتری عطا فرمائی ہے۔ قرآن کی نظر میں حقیقی انسانی، معنوی اور پاکیزہ زندگی صحیح اور الٰی ثقافت ہی کے زیر سایہ میسر آ سکتی ہے۔ قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور دین پر عمل ہی سے انسانوں کی مادی اور دینی زندگی میں روشنیں برقرار ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے مطابق دینی ثقافت کی ترویج اللہ فریضہ ہے۔ دینی ثقافت کے مامہرین کا سب سے بڑا جہاد قرآنی علوم و معارف کی ترویج ہے۔

\* مدیر مجلہ سہ ماہی ”نور معرفت“ نوراللہی ای مرکز تحقیقات (منٹ)، بخارہ ہاؤ، اسلام آباد

**نہید**

انسانی زندگی کے چار پہلو بہت اہمیت رکھتے ہیں، جنہیں سیاسی، معاشری، اجتماعی اور ثقافتی پہلو کہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے ان سب پہلوؤں میں انسان کے ثقافتی پہلو کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اگر انسان اپنی ثقافت کو گم کر دے تو اس کی زندگی کے دوسرے تمام پہلو بھی متاثر ہونے لگتے ہیں اور وہ سیاسی، معاشری، اجتماعی لحاظ سے بھی گم ہو جاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں ہر بندیا دی تبدیلی اُس کی ثقافت کے تابع ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسانی زندگی کے تمام پہلو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن انسان کے مذکورہ تینوں پہلو اس کی ثقافت سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ انسان کی زندگی میں ثقافت کی حیثیت، انسانی بدن میں دوسرے اعضا کے مقابلے میں مغز و اعصاب جیسی ہے۔ اگر انسان کا دماغ اور اعصاب کام کرنا چھوڑ دیں تو تمام بدن بیکار ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم ثقافت کے انسانی زندگی پر اثرات کو قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھیں، خود ثقافت کا مفہوم اور معنی ذکر کرتے ہیں۔

**ثقافت**

ثقافت عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد کسی قوم یا طبقے کی تہذیب ہے۔ علماء نے اس کی یہ تعریف کی ہے: ”ثقافت الکتابی یا ارادی یا شعوری طرز عمل کا نام ہے۔“ الکتابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات، افعال، خیالات اور رسوم اور اقدار شامل ہیں جن کو ہم ایک منظم معاشرے یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ایک انگریز ماہر نسیمات کے مطابق ”علم، دانش، ہنر، افکار، عقائد، قوانین، مقررات، آداب، رسوم اور دستورات کے مجموعہ کا نام ثقافت ہے“ خلاصہ یہ کہ وہ تمام تعلیمات و عادات جو ایک انسان اپنے معاشرہ کا عضو ہونے کے عنوان سے حاصل کرتا ہے انہیں ثقافت کہا جاتا ہے۔

انگلش زبان میں ثقافت کے مترادف جو کلمہ استعمال ہوتا ہے وہ کلچر ہے۔ تاہم آج تک ثقافت یا کلچر کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں ہو سکی۔ لفظ ثقافت کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ کی بعض تعریفیں عام مفہوم اور بعض خاص مفہوم کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ (1) اردو میں ثقافت کے مترادف ایک اور لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ”تہذیب“ ہے۔ اس سلسلے میں فیض احمد فیض کہتے ہیں: ”کلچر کے لئے ہمارے ہاں کوئی لفظ موجود نہیں ہے ہمارے ہاں پر ان لفظ تہذیب ہے جسے ہم ”سی وی لیزیشن“ اور ”کلچر“ دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔“ (2)

ثقافت سے ہی اجتماعی زندگی میں انسان کی شناخت ہوتی ہے اور یہی چیز ایک قوم و ملت کی سب سے بڑی میراث سمجھی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک کسی قوم کی میراث اس کے قدیم سکے، برتن، زیورات، لباس اور دیگر آثار قدیمه ہیں، لیکن دیکھا جائے تو کسی قوم کی میراث فقط یہی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ اُس قوم و ملت کی رسوم و آداب، قومی و ملی اقدار اور اعتقادات اس کی سب سے اہم میراث ہیں جس سے اُس کی ثقافت تشکیل پاتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ انسان کی ثقافت جن عناصر سے تشکیل پاتی ہے ان میں سب سے اہم عنصر اُس کے عقائد اور نظریات ہیں۔ جیسا کی تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مختلف اقوام و ملل کے درمیان پیدا ہونے والی گھری سیاسی و اجتماعی تبدیلیاں، ان کے اعتقادات کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہوئی ہیں اور دین کے سلسلے میں بھی سب سے اہم چیز اصول دین ہیں کہ جنہیں اعتقادات کہا جاتا ہے۔

مثلاً پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کی برکت سے عرب معاشرے میں جو تبدیلی اور انقلاب برپا ہوا ہے، اس کا سب سے بڑا سبب وہ اعتقادات تھے، جو پیغمبر اکرم ﷺ کی وجہ سے اس معاشرے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ عرب معاشرہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انتہائی پستی میں بنتا تھا۔ بت پرستی، جہالت، قتل و غارت اور وحشیانہ طرز زندگی، قسادت قلب اور فقر و فاتحہ اس معاشرے کی نمایاں خصوصیت تھیں۔ (3)

لیکن رسول خدا ﷺ نے انتہائی کم عرصے میں اس معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو خداوند کیتا کی طرف دعوت سے اپنے کام کا آغاز کیا اور مشرکین عرب کو قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔ جب لوگوں نے پروردگار عالم اور روز معاو کی حقانیت کو قبول کر لیا تو ان کے طرز زندگی اور معاشرت میں نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی، ان کے رہن سہن کا انداز بدل گیا اور انہوں نے قتل و غارت کو چھوڑ کر بھائی چارے اور ایثار و فدا کاری کو اپنالیا۔ عداوت اور دشمنی برادری اور اخوت میں تبدیل ہو گئی اور جہالت و نادانی کی جگہ علم و دانش نے لے لی۔ اس طرح مسلمان آہستہ آہستہ اسلام کے پیغام کو پوری دنیا کٹ کر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور بڑی بڑی بادشاہیں دین اسلام کے سامنے پیچ نظر آئے لگیں اور مسلمان دین اسلام کے تابع ایک عظیم تمدن تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو اسی نعمت کی یاد دہانی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَيْعَانًا لَا تَفَرُّوْا إِذْ كُرُّمُ وَأَنْعَمَتِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَالْفَلَّى يُبَيِّنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحُتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَاعَ حُمْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَإِنَّقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنَ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهَتَّدُونَ۔“ (4)

ترجمہ: ”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے ٹھام لو اور تفرقة مت ڈالو، اور اپنے اپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرا کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (وزیر کی) آگ کے گڑھ کے کنارے پر (پیچ چک) تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھ سے بچالیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔“

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس عظیم انقلاب کا آغاز انسانوں کے کائنات کے بارے میں تصور اور عقائد کو تبدیل کرنے سے کیا تھا۔ جب اعتقادات، اللہ بن گئے تو اقدار اور نظریات بھی تبدیل ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں انسانوں کے کردار اور رفتار میں بھی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ مفسرین نے سورہ زلزال کے ذیل میں ایک قصہ نقل کیا ہے جس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی: ”جو کچھ خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیجئے۔“ پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس نے اسے سورہ ”اذ از لزلت الارض“ کی آخر تک تعلیم دی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میرے لئے تو یہی کافی ہے۔ (ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا: ”تکفینی هنذا الایۃ“ یہی ایک آیت میرے لئے کافی ہے)۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ ایک مرد فقیہ ہو گیا ہے۔ (اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: ”رجع فقيها“ وہ فقیہ ہو کر لوٹا ہے) اس کی وجہ بھی واضح ہے، کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ہمارے اعمال، چاہے ایک ذرہ کے برابر ہوں، یا رائی کے ایک دانہ کے برابر، ان کا حساب لیا جائے گا، تو وہ آج ہی سے اپنے حساب و کتاب میں مشغول ہو جائے گا اور اس کا اس کی تربیت پر سب سے زیادہ اثر ہو گا۔ (5)

انسانی ثقافت اور سیاسی و اجتماعی تبدیلیوں پر اعتقادات کے اثر انداز ہونے کی ایک اور مثال معاصر مغربی معاشرہ ہے۔ صنعتی انقلاب خصوصاً معاصر جدید سائنسی پیشافت کی وجہ سے جو تبدیلیاں مغربی معاشروں میں رونما

ہوئی ہیں ان کی بازگشت چند بنیادی فلسفیانہ اعتقادات کی طرف ہوتی ہے۔ جن میں سیکولر ازم، پورا زم اور لبرل ازم وغیرہ جیسے نظریات ہیں۔ ان فلسفی نظریات نے مغربی معاشرے کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہے اور دین اور مادرائے طبیعت مسائل ٹانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور انسان خدا کی جگہ لے چکا ہے۔ اسی لئے اس معاشرے پر دنیا پرستی، لذت پرستی اور انفرادیت پسندی حاکم ہو چکی ہیں۔ بلاشک و شبہ مغربی معاشرے کی یہ تبدیلی اس کے اعتقادات اور نظریات میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور ان جدید مادہ پرستانہ نظریات نے اس علاقے کے کچھر کو بھی مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہے۔ اب دنیا کے جس علاقے میں بھی یہ نظریات پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں، وہاں کی ثقافت بھی تبدیل ہو رہی ہے۔ حتیٰ گز شتر صدی میں مسلمان معاشروں میں بھی دینی اعتقادات کی بنیادیں کمزور ہونے کی وجہ سے مغربی ثقافت پھیلتی چل گئی۔ اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی معاشروں کے اعتقادات، نظریات، اقدار اور آداب و رسوم کا نام ثقافت ہے اور ان چیزوں کے بدلتے سے انسان کی ثقافت بھی بدلتی ہے۔ اس لئے ثقافت کی اہمیت اور مقام انسان زندگی میں بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا تعلق اس کے زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے۔ اس کے تبدیل ہونے سے اس کے دوسرا پہلو بھی تبدیل ہونے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام خمینیؑ لکھتے ہیں: ”ثقافت کسی قوم و ملت کی بنیاد ہے، اس ملت کی قومیت اور ایک قوم ہونے کی علمات ہے اور کسی ملت کے استقلال کی مضبوط بنیادوں کی نمائی ہے۔ لہذا دشمن نے کوشش کی ہے کہ ہماری ثقافت کو استعمالی بنادے اور ان کی جدوجہد صرف اس بات کیلئے تھی کہ ہمارے ملک میں صحیح معنی میں کوئی انسان پیدا نہ ہو۔“ (6)

### اسلامی ثقافت

لغت میں اسلام سے مراد اطاعت، فرمانبرداری، سر جھکانا ہے اور اصطلاح میں اُن تمام الٰی اور آسمانی عقائد اور احکام کے مجموعے کو اسلام کہا جاتا ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جانب سے لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ بنابریں ثقافت، اقدار، اعتقادات، رسوم و آداب کے ساتھ اسلام کے لاحقے سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اسلام سے اخذ کی گئی ہیں۔ چونکہ تمام مسلمان دین اسلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی کے احکام پر عمل پیرا ہیں لہذا ان کے رہن سہن اور آداب و رسوم کو اسلامی کہا جاتا ہے اور ان کی ثقافت بھی دین اسلام کے تابع ہوتی ہے۔ فیض احمد فیض اسلامی کلچر کے بارے میں کہتے ہیں: ”اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس

لئے ہر مسلمان قوم کا لکھر اسلامی لکھر ہے، ہر مسلمان قوم کی تہذیب اسلامی تہذیب ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر اسلامی ملک کی ایک قومی تہذیب بھی ہے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔” (7)

ایک اور مقام پر وہ لکھر اور تہذیب پر اسلام کے اثر انداز ہونے کے بارے میں کہتے ہیں: ”تاریخی لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام عرب کے خطے سے نکل کر جہاں بھی پہنچا، اس نے اسلامی تہذیب کو جامعیت سے جنم دیا۔ چنانچہ یہ کہنا سر اسر غلط ہو گا کہ دین اسلام کا قومی تہذیب پر اثر نہیں ہوا۔ جہاں بھی ہمارا دین پہنچا ہے، اس نے وہاں کے معاشرے میں انقلاب پیدا کیا ہے اور اس انقلاب کی وجہ سے مختلف اسلامی ممالک کی قومی تہذیبوں میں ایک نہایت بنیادی فرق پیدا ہوا ہے اسی قسم کا بنیادی انقلاب اسلام آنے کے بعد ہندوستان کی تہذیب میں بھی پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہاں کے وہ لوگ جو کہ مسلمان ہیں ان کی تہذیب یہاں کے ان لوگوں سے جو کہ غیر مسلم تھے، الگ ہو گئی اسی کی بنیاد پر ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا۔“ (8)

خلاصہ یہ کہ جب کسی معاشرے پر دینی و قرآنی اعتقادات و اقدار کی حاکیت ہو اور اس معاشرے کے تمام لوگ دینی قدرتوں پر اعتقاد رکھتے ہوں اور قرآن جیسی آسمانی کتاب کو اپنے لئے دستور حیات سمجھتے ہوں تو ایسا معاشرہ قرآنی و اسلامی ثقافت کے تابع ہو گا اور اس کا کوئی بھی ثقافتی فعل قرآنی تعلیمات کے منافی نہیں ہو گا اور اس پر حاکم تمام قدر یہ قرآن و اسلام ہی کے تابع ہوں گی، اُس کی معیشت سے لے کر سیاست تک قرآنی و دینی تعلیمات کی روشنی میں انجام پائے گی۔

### قرآن کی نظر میں ثقافت کی اہمیت

قرآن کریم کی نظر میں انسان کی ثقافت خصوصاً اس کے اعتقادات اور اقدار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس مقالے میں دینی ثقافت کی اہمیت اور مقام و منزلت کو قرآن کی نظر میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ملتی ہیں جن سے قرآن کی نظر میں ثقافت کی اہمیت اور مقام و منزلت نمایاں ہوتی ہے۔ ہم یہاں چند آیات کو بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

### معاشرتی ثقافت کے سرپرست

قرآن کی نظر میں خدا کے بر گزیدہ بندے ہی انسانی ثقافت کے سرپرست قرار پاتے ہیں۔ قرآن انسانی ثقافت کو پسندیدہ اور الٰی ثقافت میں تبدیل کرنے کے لئے اپنے بر گزیدہ اور خالص بندوں کو انسانوں کی طرف مبعوث فرماتا ہے، جو انسانوں کی طاغوتی ثقافت سے الٰی ثقافت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں:

”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنَّا عَبْدُوا اللَّهَ وَإِجْتَنَبُوا الظَّاغُوتَ۔“ (9)

ترجمہ: ”ہم نے ہر قوم اور امت میں کچھ رسول بھیجے ہیں تاکہ وہ خدا نے کیتا کی عبادت کریں اور طاغوت سے اجتناب کریں۔“

پھر فرمایا:

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعْلِمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنَّ كَافُونَ مِنْ قَبْلِ لَغْيٍ ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔“ (10)

ترجمہ: ”خدا نے مومنین پر احسان کیا (کہ انہیں ایک عظیم نعمت بخشی) جبکہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کا تزریقہ نفس کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے ہکلی گمراہی میں تھے۔“

اس آیت کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے تین پروگرام پیش کئے ہیں:

پہلا: پروڈگار عالم کی آیات پڑھنا، تلاوت کرنا اور لوگوں کے کافوں اور افکار کو ان آیات سے آشنا کرنا۔  
دوسرا: تعلیم یعنی ان حقائق کو ان کی روشن تک پہنچانا۔ تیسرا: تزریقہ نفس کرنا، یعنی انحلاتی و انسانی ملکات کی تربیت اور نشوونما، چونکہ اصلی ہدف تربیت ہے۔ اور یہ تینوں کام انسانوں کے افکار و اعتقادات، اقدار اور طرز معاشرت کو بدل دیتے ہیں۔ یعنی انسان کی ثقافت انہی تینوں کاموں کی وجہ سے تبدیل ہو جاتی ہے اور انہیاے کرام یہ تبدیلی لاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیاے کرام کو انسانی معاشروں کی ثقافت کی سرپرستی کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اسی طرح بعض برگزیدہ انہیاے کرام کو مرتبی عطا کرنے کے بارے میں فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَّ إِبْرَاهِيمَ وَآلَّ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔“ (11)

ترجمہ: ”اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو سب جہانوں پر منتخب کر لیا۔“

پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقط انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے انہیاے کرام کو مبعوث فرمایا ہے اور کسی مقصد کے لئے انہیاء نہیں بھیجے، چونکہ تعلیم و تربیت ہی سے ثقافت بنتی ہے اور جب درست ثقافت بن جائے تو انسانی زندگی کے دیگر تمام امور بھی سنور جاتے ہیں۔

### معاشرے میں ثقافتی امور کے ماہرین کا مقام

اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء اور دانشوروں کو خصوصی اہمیت اور برتری عطا فرمائی ہے جو معاشروں کے ثقافتی امور کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ثقافتی میدان میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور انسانی قدروں کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے افراد کی منزلت ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

”يُرَفِعَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أَوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔“ (12)

ترجمہ: ”وَاللَّهُ ان لوگوں کو، جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور علم سے بہرہ وریں، عظیم درجات پہنچنے گا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے۔“

ایہ شریفہ کامیٰ یہ ہے کہ مومن اور غیر مومن کے درجات میں فرق ہے یقیناً مومن غیر مومن پر فضیلت رکھتا ہے لیکن عالم مومن کے درجات غیر عالم مومن سے بھی زیادہ ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ بُغَاثَةَ الْعِلْمِ۔“ (13) یعنی: ”اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”عَالَمٌ يُنْتَقَعُ بِعِلْمِهِ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ الْأَفَّ عَالِيًّا۔“ (14) یعنی :

”جس عالم کے علم سے لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں وہ ستر ہزار عبادت گزاروں سے بہتر ہے۔“

ایک اور نکتہ یہ کہ اسلام میں شہید کا مقام و مرتبہ بہت زیادہ ہے، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں آیا ہے کہ علماء کے قلم کی سیاہی خون شہداء سے افضل ہے: ”إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جَمِيعًا... عَزُو جَلَ النَّاسُ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ وَوَضَعَتِ الْمَوَازِينَ فَتَوَزَّنَ دَمَاءُ الشَّهَدَاءِ مَعَ مَدَادِ الْعَلَمَاءِ فَيُرِجَحُ مَدَادُ الْعَلَمَاءِ عَلَى دَمَاءِ الشَّهَدَاءِ۔“ (15)

یعنی: ”جب قیامت کا دن ہو گا، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک ساتھ محشور فرمائے گا اور اس وقت میزان نصب کیتے جائیں گے، پس شہداء کے خون کو علماء کے قلم کی سیاہی کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو علماء کے قلم کی سیاہی خون شہداء پر بھاری قرار دی جائے گی۔“

ابتدئے جس طرح شہداء کا مقام ایک جیسا نہیں اور اس کے درمیان بھی مراتب ہیں اسی طرح علماء کے قلم بھی ایک جیسے نہیں ہوں گے، جو قلم شہید پرور ہو گا تو بلا شک وہی خون شہداء سے افضل قرار پائے گا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے:

”اللّٰهُمَّ ارْحُمْ خُلْفَائِيْ قَاتِلُوْا وَ مَا خُلْقَأُكَ قَاتَ الَّذِينَ يُحْبِيْنَ سُنْنِيْ وَ يُعْلِمُوْهَا عِبَادَ اللّٰهِ وَ مَنْ يَحْصُمُهُ الْبَوْثُ وَ هُوَ يُطْلِبُ الْعِلْمَ لِيُحْبِيْ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ۔“ (16)

یعنی: ”اے اللہ! میرے خلفا پر رحم فرماء! کہا گیا: آپ کے خلفا کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اس کی تعلیم اللہ کے بندوں کو دیتے ہیں اور جس کی موت اس حالت میں آتی ہے کہ وہ حصول علم میں مشغول ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں عابد پر عالم کی برتری کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ:

”فَضْلُ الْعَالَمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَرْلِيلِ إِلَيْهِ الْبَدْرُ عَلَى سَائِرِ الْكَوَافِرِ۔“ (17)

یعنی: ”عابد پر عالم کو اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے شب پر کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔“ ایک اور نکتہ یہ کہ قیامت کے دن مقام شفاعت ہر کسی کو حاصل نہیں ہو گا بلکہ یہ مقرین اللہ کے ساتھ مختص ہو گا۔ لیکن ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

”يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةُ أَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشَّهَادَاءُ۔“ (18)

یعنی: ”قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء، کرام، علماء اور شہداء۔“

ان آیات اور روایات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ معاشرے کی ثقافت، اخلاق اور اقدار کی سر بلندی کے لئے سرگرم رہتے ہیں، ان کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے خواہ زمین پر وہ گمنام ہی کیوں نہ ہوں لیکن آسمانوں پر ان کا نام اور کام زندہ ہوتا ہے۔

### صحیح ثقافت اور معاشرے کی معنوی زندگی

قرآن کی نظر میں حقیقی انسانی، معنوی اور پاکیزہ زندگی صحیح اور الہی ثقافت ہی کے زیر سایہ میسر آ سکتی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَحْيِبُو اللَّهَ وَ لِلَّهِ سُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِهَا يُحِبِّيْكُمْ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمُرْءَ وَ قَلْبِهِ وَ أَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشِدُونَ۔“ (19)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب (بھی) رسول ﷺ تمہیں کسی کام کے لئے بلا کیں جو تمہیں (جاودا) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول ﷺ کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے

ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو، اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان (شانِ قربتِ خاصہ کے ساتھ) حائل ہوتا ہے اور یہ کہ تم سب (بالآخر) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔“ اس آیہ مجیدہ سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی اور پاکیزہ زندگی خدا اور رسول ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور دین کے بغیر زندگی، محض حیوانی زندگی ہے۔ اس مطلب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں زندگی کے کچھ مرتبے ہیں۔ کبھی تو ہم جڑی بوٹیوں اور پودوں کی زندگی دیکھتے ہیں جو کبھی سبز ہوتے ہیں اور کبھی زرد اور مر جھائے ہوئے۔ قرآن ان کی جانب بھی زندگی کی نسبت دیتا ہے: اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا“ (20) یعنی: ”جان لو! اللہ تعالیٰ زمین کو موت کے بعد زندگی عطا کرتا ہے۔“ کبھی کسی حیوان کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”إِنَّ الَّذِي أَنْجَيْتَهَا إِلَيْهِنَّ الْمُؤْمِنَةَ“ (21) یعنی: ”اللہ تعالیٰ کہ جس نے (زمین) کو زندہ کیا اور پھر مردوں کو بھی زندہ کرے گا۔“ اور کبھی قرآن مجید انسانی، عقلی اور نظریاتی حیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: أَوْ مَنْ كَانَ مَيْمَاناً فَأَخْيَيْنَاهُ۔“ (22) یعنی: ”جو مردہ اور گمراہ تھا اور اسے ہم نے ہدایت کی ہے۔“

کیا وہ بھی گمراہوں کی طرح ہے؟ اور ایک مقام پر قرآن ابدی حیات اور اخروی دنیا کے بارے میں فرماتا ہے: ”يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي“۔ (23) یعنی: ”کاش میں نے اپنی آج کی (قیامت اور روز آخرت) زندگی کے لئے کچھ چیز آگے بھیجی ہوتی“ اور کبھی قرآن مجید میں حیات کا معنی علم اور بے انتہاء تو انائی اور قدرت کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ قرآن نے فرمایا: ”وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ“ (24) یعنی: ”اور آپ ایسے رب پر توکل کیجئے کہ جس کے لئے موت ہے ہی نہیں“ یعنی وہ لامدد ہستی ہے جس کے لئے موت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

حیات اور زندگی کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ سورہ انفال کی آیہ مجیدہ ۲۳ میں حیات سے مراد، معنوی اور عقلی حیات ہے بنابریں جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتقاد نہیں رکھتے اور سیکولر زندگی گزارتے ہیں اگرچہ وہ مادی اور حیوانی زندگی رکھتے ہیں، لیکن قرآن کی نظر میں وہ انسانی اور عقلی زندگی سے محروم ہیں۔ قرآن انسانوں کو انسانی اور عقلانی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (25)

## دینی ثقافت اور مادی زندگی کی رونقیں

قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اُس کے انبیاء کے کرام کے ذریعے لائے ہوئے دین پر عمل ہی سے انسانوں کی مادی اور دینی زندگی میں رونقیں برقرار رہ سکتی ہیں۔ اگر لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولیں، خیانت نہ کریں، ظلم و ستم سے پر ہیز کریں دوسرے الفاظ میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں تو یقیناً معاشروں میں اجتماعی اور معاشی سکون قائم ہو جائے گا اور انسان امن اور سکون کی زندگی گزار سکے گا، ایسے ہی معاشرے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرْبَىٰ آمَنُوا وَ اتَّقُوا لَفَتَحَنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَ لَكِنَّ كَذَّابِيْنَ فَأَخْذُنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔“ (26)

ترجمہ: ”اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھوں دیتے، لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، سو ہم نے انہیں ان اعمالِ (بد) کے باعث جو وہ انجام دیتے تھے (عذاب کی) گرفت میں لے لیا۔“

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَلَوْ أَنَّهُمْ أَفَّاقُمُوا الْتُّورَاتَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَأَكُلُوا مِنْ فُوقِهِمْ وَ مِنْ تُحْتِهِمْ أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ كَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ“ (27)

ترجمہ: ”اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور) قائم کر دیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر و سعت عطا ہو جاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر رزق ختم نہ ہوتا)۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رو (یعنی اعتدال پسند ہے)، اور ان میں سے اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی راہے۔“

اس آیہ مجیدہ سے پتا چلتا ہے کہ اجتماعی تقویٰ انسانی معاشروں کی معاشی اور اقتصادی حالت بد لئے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور دینی ثقافت کے تابع اقتصادی نظام الہی نعمتوں کی فراوانی کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونے لگتی ہیں۔

## ثقافتی اور معنوی مرکز کی حفاظت کے لئے جہاد

اللہ تعالیٰ، دینی ثقافتی اور عبادی مرکز کی حفاظت کی خاطر جہاد اور دفاع کو ضروری قرار دیتا ہے اور اسلامی جہاد کا فلسفہ ہی انہی مرکز کی حفاظت کو قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

”الَّذِينَ أُخْرَجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حِقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِعَصْبَى  
لَهُدِّمَتْ صَوَامِعٌ وَبَيْتَمٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُنْدِكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ كُلُّ  
اللَّهَ أَكْفَوْيُ عَنِّيْرُ۔“ (28)

ترجمہ: ”(یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمائی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا)، اور اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ (جہاد و انقلابی جد و جہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گربے اور ملکیے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مرکز اور عبادت گاہیں) مسماں اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے، اور جو شخص اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بیشک اللہ ضرور (بڑی) قوت والا (سب پر) غالب ہے۔“

گویا حق اور باطل کے لتضاد و تصادم کے انقلابی عمل سے ہی حق کی بقا ممکن ہے۔ اگر ایماندار لوگ دینی غیرت سے عاری ہو جائیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور زمانے کے طاغوتوں، سامراجی قوتوں، مستکبروں اور لاابالی اور سیکولر عناصر کی لوٹ مار اور تباہ کاریوں کا تمثا شادیختہ رہیں تو تھوڑی مدت میں عبادت خانے ویران ہو جائیں گے اور ان کی جگہ فاشی اور بدمعاشی کے مرکز ہکل جائیں گے۔ کیونکہ عبادت گاہیں، انسانوں کو بیدار کرتی ہیں اور مسجد و محراب سے ظلم و ستم کے خلاف اعلان جنگ ہوتا ہے اور توحید کا پرچم بلند ہوتا ہے۔ مسجد ہر طاغوت اور مستکبر کے خلاف انسانی مورچے کی حیثیت رکھتی ہے جس سے درس حریت ملتا ہے اور انسان جذبہ توحید سے مالا مال ہوتا ہے۔

اسی لئے ہر زمانے کے طاغوت نے زندہ اور فعال مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی معنوی قدر و قیمت کم کرنے اور معاشرے میں بے اثر کرنے کے لئے علمائے سو اور پیشہ ور اور دنیا پرست ائمہ جماعت سے استفادہ کیا ہے اور منبر سے لے کر محراب تک کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی سعی کی

ہے، لیکن جب منبر و محراب بیدار ہو جائے اور با تقویٰ علماء کے زیر سایہ ثقافتی، علمی و عبادی فعالیت شروع کر دے تو طاغوتی قوتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور وہ ان کے لئے قوانین سازی شروع کر دیتی ہیں۔

علامہ طباطبائی اس بارے میں لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ، اپنے دین کی حفاظت کے لئے بعض لوگوں کا بعض دوسروں کے ذریعے دفاع کرتا ہے اور اگر فقط اس نے (اس آیت) میں عبادت گاہوں کا نام لیا ہے تو اس لئے کہ اگر یہ دفاع نہ ہوتا تو عبادت گاہیں تو دور کی بات ہے، اصل دین ہی باقی نہ رہتا اس لئے کہ عبادت گاہیں، دین کے مظاہر، شعائر اور علامتیں شمار ہوتی ہیں اور لوگ انہی کے ذریعے دین کی یاد میں رہتے ہیں اور ان میں بیٹھ کر دین کے احکام سمجھتے ہیں اور دین کا تصور اور نقشہ ان کے اذہان میں محفوظ رہتا ہے۔“ (29)

### دینی ثقافت کی ترویج ایک الٰی فریضہ

دینی عقائد، احکام اور اقدار اس قدر اہمیت رکھتی ہیں کہ جنگ کے زمانے میں بھی بعض لوگوں پر واجب ہے کہ وہ دینی احکام اور عقائد کی تعلیم جاری رکھیں تاکہ دینی تعلیم و تربیت کا سلسلہ رکھنے نہ پائے اور دینی ثقافت متاثر نہ ہو۔ چونکہ دینی علوم کی ترویج کے بغیر دینی ثقافت نہ تواریخ ہو سکتی ہے اور نہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس لئے مسلمان معاشرہ حالت جنگ میں بھی دینی ثقافت کی حفاظت کے لئے اس ثقافت کے مبلغین کی تعلیم و تربیت کو معطل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسئلے کی اہمیت کے بارے میں فرمادیا ہے:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرَاقَةٍ مِّنْهُمْ طائِفَةٌ لِّيَتَعَقَّبُوا فِي الدِّينِ وَ

لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔“ (30)

ترجمہ: ”مناسب نہیں کہ سب مومنین (میدان جہاد کی طرف) کوچ کریں، ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا (اور ایک حصہ باقی نہیں رہتا تاکہ دین اسلام کے معارف و احکام) سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی قوم کی طرف بازگشت کے وقت انہیں ڈرائیں تاکہ وہ (حکم خدا کی مخالفت سے) ڈریں اور رک جائیں۔“

اس آیت کے شان نزول میں مرحوم طرسی نے مجمع البیان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم ﷺ میدان جہاد کی طرف روانہ ہوتے تو سب مسلمان آپ کے ساتھ نکل پڑتے۔ پیچھے معدود افراد اور متفقین رہ جاتے، لیکن جب کچھ آیات متفقین کے بارے میں نازل ہوئیں اور خصوصاً جنگ تیوک سے منہ موزنے والوں کو جس طرح سے وعید و ملامت نے آگھیرا اس سے مومن جہاد کے میدانوں میں شرکت کے لئے

اور زیادہ پختہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ جنگیں جن میں پیغمبر ﷺ ذاتی طور پر شرکت نہیں کرتے تھے ان میں شرکت کے لئے بھی سب نکل پڑتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیتے تھے۔

اس صورت حال کے پیش نظر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور انھیں بتایا گیا کہ ضرورت کے علاوہ مناسب نہیں کہ سب مسلمان میدانِ جنگ کی طرف جائیں بلکہ ایک گروہ مدینہ کی طرف جائے اور مدینہ میں جانے والے افراد رسول اللہ ﷺ سے اسلامی معارف و احکام کی تعلیم حاصل کریں اور اپنے مجاہدوں ستون کو واپس آنے کے بعد تعلیم دیں۔

### جہالت کے خلاف جہاد

زیر نظر آیتِ جہاد کے سلسلے میں گزشتہ آیات سے تعلق رکھتی ہے یہ ایک ایسے نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو مسلمان کے لئے حیاتِ آخرین حیثیت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ بلاشبہ جہاد بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پچھے رہ جانا نگہ و عار اور گناہ ہے، لیکن بعض موقع پر جہاں ضرورت تقاضا نہیں کرتی کہ تمام مسلمان میدانِ جہاد میں شرکت کریں خصوصاً ان موقع پر جب پیغمبر ﷺ خود مدینہ میں رہ جائیں تو مناسب نہیں کہ سب جہاد کے لئے چل پڑیں بلکہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ہر جماعت کے دو حصے ہوں۔ ایک حصہ فریضہ جہاد کو انجام دے اور دوسرا حصہ مدینہ میں رہ کر اسلام کے معارف کی تعلیم حاصل کرے۔ اس سے اسلامی ثقافت کی ترویج کے لئے حصول علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (31)

### ”تفہم فی الدین“ کا وسیع مفہوم

تفہیر نمونہ کے مؤلف لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ ”تفہم فی الدین“ سے مراد تمام اسلامی معارف و احکام کا حصول ہے چاہے ان کا تعلق اصولِ دین سے ہو یا فروعِ دین سے، کیونکہ ”تفہم“ کے مفہوم میں یہ تمام امور جمع ہیں لہذا مندرجہ بالا آیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ، ہمیشہ واجب کفائی انجام دینے کے لئے تمام اسلامی مسائل میں تحصیل علم کرے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسلامی احکام کی تبلیغ کے لئے مختلف علاقوں کی طرف جائے، خصوصاً پنی قوم اور جمیعت کی طرف آئے اور اسے اسلامی مسائل سے آشنا کرے۔ پس مندرجہ بالا آیت، اسلامی مسائل کی تعلیم و تعلم کے وجوہ پر ایک واضح دلیل ہے دوسرے لفظوں میں تعلیم حاصل کرنا بھی واجب ہے اور تعلیم دینا بھی۔ آج کی دنیا اگر جبری تعلیم پر فخر کرتی ہے تو قرآن نے چودہ سو سال پہلے اس سے بھی بڑھ کر معلمین پر یہ کام فرض کیا ہے۔ (32)

### ثقافتی جہاد کی اہمیت

اس قرآنی آیت میں علمائے دین کہ جو درحقیقت دینی ثقافت کے ماہرین سمجھے جاتے ہیں، ان کا سب سے بڑا جہاد قرآنی علوم و معارف کی ترویج ہے اور قرآن کے ذریعے کفار کو شکست دینا اور اسلام کی نظریاتی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ لہذا قرآن مجید فرماتا ہے: ”فَلَا تُطِعُ الْكَافِرِينَ وَجَهَدُهُمْ بِهِ جَهَادٌ كَبِيرًا۔“ (33) یعنی: ”کفار کی اطاعت نہ کرو اور اس (قرآن) کے ذریعے ان کے ساتھ بڑا جہاد کرو۔“

قرآن کریم کی نظر میں ثقافتی جہاد ہی سب سے بڑا اور اہم جہاد ہے۔ اگر مسلمان معاشرہ جہاد کے اس محااذ پر کامیاب ہو جائے تو دوسرے تمام محااذ فتح کر لیتا ہے اور اگر ثقافتی محااذ پر ناکام ہو جائے تو دوسرے محااذوں میں کامیابی اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ اوپر سورہ فرقان کی آیت نمبر ۵۲ میں گذر چکا ہے کہ قرآن کریم نے ثقافتی جہاد کی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر اس جہاد کو جہاد کبیر کا نام دیا ہے۔ چونکہ قرآن مجید علمی، ثقافتی جہاد کا سب سے بڑا داعی ہے اور دشمنان اسلام کے ساتھ بحث و مباحثے کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ اگرچہ دشمنان اسلام نے شروع ہی سے ثقافتی یلغار کے ذریعے مسلمان معاشروں کو نقصان پہنچایا ہے اور اس سلسلے میں ان کی کوششیں ابھی تک جاری ہیں اور عصر حاضر میں تو وہ جدید ترین ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمان معاشروں پر ثقافتی یلغار کر رہا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے وسیلے سے اس یلغار کا جواب دیا جا رہا ہے اور قرآن مسلمانوں کو اس یلغار کے خلاف دائیٰ جہاد کی تلقین کرتا ہے: ”جاهِدُهُمْ بِهِ“ یعنی اسی قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ جہاد کرو اور یہی جہاد کبیر ہے۔ (34)

### ثقافتی وسائل کی اہمیت کی ایک مثال

حدیث کے مطابق تمام صد اؤں میں سے تین صد اؤں میں بہت اہمیت رکھتی ہیں: ایک علماء کے قلم کی صدا، دوسری مجاہدین کے پاؤں کی صدا اور تیسرا چرخے پر کاتنے کی آواز۔ اگر عصر حاضر میں ان تینوں صد اؤں کی وضاحت کریں تو کہیں گے: چھاپخانے کی آواز، توپخانے کی آواز اور کارخانوں کی آواز یعنی ثقافتی، عسکری اور اقتصادی طاقت ہی سب سے اہم طاقت ہے۔ اسلام کی نظر میں ان تینوں صد اؤں میں قلم کی صدارت سے اہم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قلب پیغمبر ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیات میں قلم کی اہمیت کو ہی بیان فرماتا ہے:

”أَنْهُ أَبِيسِمْ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ<sup>۱</sup> خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلِقٍ<sup>۲</sup> أَنْهُ أَوْرَبُكَ الْأَكْرَمُ<sup>۳</sup> الَّذِي عَلَّمَ<sup>۴</sup> بِالْقَلْمَنِ۔“ (35)

ترجمہ: ”پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔ وہی جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت ہے۔ وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ سب کو کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیات پیغمبر اکرم ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ (36) پیغمبر اکرم ﷺ اُمی تھے یعنی کسی اُستاد سے درس پڑھے ہوئے نہیں تھے اور دوسرا طرف پورے حجاز کا ماحول جہالت و نادانی کا ماحول تھا۔ قرآن میں سب سے پہلی آیات میں خلقت جیسی عظیم ترین نعمت کے ذکر کے بعد تعلیم و تعلم کے مسئلے کو پیش کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ آیات سب سے پہلے عالقہ نام کی ایک ناچیز سی شیت سے انسانی جسم کی تکمیل کی خبر دیتی ہیں اور پھر تعلیم و تعلم بالخصوص قلم کے ذریعے روح کے تکامل کی بات کرتی ہیں۔

جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس وقت نہ فقط حجاز کا علاقہ جہالت و نادانی سے بھرا ہوا تھا بلکہ اس زمانے کی متعدد دنیا بھی قلم جیسے ثقافتی وسیلے کی اہمیت سے بے خبر تھی۔ لیکن عصر حاضر میں انسان کو نصیب ہونے والی تمام کامیابیاں خواہ وہ کسی بھی میدان میں ہوں، قلم ہی کی مر ہون منت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تمام انسانی معاشروں کی تقدیر سب سے پہلے قلم ہی سے تعلق رکھتی ہے اور قلم ہی کے ذریعے قومیں عروج حاصل کرتی ہیں۔ انسانی معاشروں کی ترقی بھی ذمہ دار اور ایماندار قلم کے ذریعے انجام پاتی ہے اور ان کی تباہی اور بر بادی بھی فاسد اور زہریلے قلموں کا نتیجہ ہے۔

اسی قلم سے انسانوں کو تباہ کرنے والی ثقافت رواج پاتی ہے اور اسی قلم کے ذریعے انسانیت کی تعمیر کرنے والی ثقافت کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے قلم جیسے ثقافتی وسیلے کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے: ”نَوَّالْقَلِمَ وَمَا يَسْطُرُونَ۔“ (37) یعنی: (نون اور جو کچھ قلم سے لکھا جاتا ہے، اس کی قسم۔) (38)

### ثقافت کو تباہ کرنے والے ہی سب سے بڑے ظالم ہیں

قرآن کریم کے مطابق جو افراد، لوگوں کی عزت و آبرو، جان و مال سے خیانت کرتے ہیں وہ ظالم ہیں، لیکن جو معاشرے کی ثقافت سے خیانت کرتے ہیں اور اسے تباہ کرتے ہیں قرآن کی منطق کے مطابق وہ سب سے بڑے ظالم ہیں:

”وَمَنْ أَظَلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا إِسْمُهُ وَسَعَى فِي حَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَافِقِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خُزْنٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔“ (39)

ترجمہ: ”اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے! انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں (بھی) ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔“

دین اسلام کا سب سے بڑا ثقافتی مرکز مسجد ہے اور جو مسجد سے روکتا ہے اور مسجد کو خراب کرتا ہے اور مسجد میں بیٹھنے والوں کو قتل کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟

”وَمَنْ أَظَلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوَحِّيَ إِلَيْهِ شَيْءٌ۔“ (40)

ترجمہ: ”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا (نبوت کا جھوٹا علوی) کرتے ہوئے یہ کہہ کر میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو۔“

”فَكُنْ أَظَلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا يُضَلِّلُ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهُدِي النَّقْمَ الظَّالِمِينَ۔“ (41)

ترجمہ: ”پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر جانے گراہ کرتا پھرے۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔“

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَمَنْ أَظَلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهُدِي النَّقْمَ الظَّالِمِينَ۔“ (42)

ترجمہ: ”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلا یا جارہا ہو، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔“

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں تحریف، حق و باطل کو مخلوط کرنا، دین میں بدعت پیدا کرنا، خدا اور رسول ﷺ اور اہل بیت اطہار پر جھوٹ باندھنا اور دین سے پھر جانا (ارتداد) اور مسلمان معاشروں میں کفار و مشرکین کے نظام اور ثقافتوں کو راجح کرنا وغیرہ سب علمی و ثقافتی خیانتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خائن افراد کے بارے میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کے مطابق ثقافتی خیانت سب سے بڑی خیانت ہے۔

### دینی ثقافت کے بارے میں سہل انگاری کی ممانعت

قرآن کی نظر میں اسلامی دینی ثقافت کی اہمیت اس قدر زیاد ہے کہ قرآن مجید کسی شخص کو بھی اس کے بارے میں سہل انگاری، سستی اور سازش کرنے کی اجازت نہیں دیتا و سرے الفاظ میں قرآن اسلامی ثقافت کو تباہ کرنے والوں یا تبدیل کرنے کے اس کی جگہ غیر دینی اور سیکولر ثقافت لانے والوں کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اگر دینی ثقافت کی حفاظت کے لئے خون بھی بہانہ پڑے اور اپنی جانیں بھی فربان کرنی پڑیں تو قرآن اس کی اجازت دیتا ہے۔

اس مطلب کی مزید وضاحت کچھ یوں کی جاسکتی ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات اور معارف خواہ وہ عقائد و احکام ہوں یا اخلاقیات، سب کے سب قطعی دلائل کے ساتھ دین کا جزء شمار ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی اعتقادی اور عملی سہل انگاری قابل قبول نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سہل انگاری سے مراد یہ ہے کہ دینی مسائل کے ذمہ دار یعنی علمائے دین اسلامی تعلیمات و معارف کے کسی ایسے حصے سے صرف نظر نہیں کر سکتے کہ جو کفار و مشرکین اور لا دین عناصر کے اعتقاد اور ثقافت کے مخالف ہیں۔ یعنی وہ یہ سمجھیں کہ یہ معارف اور تعلیمات چونکہ اجتماعی اور بین الاقوامی نفرت اور اختلاف کا سبب بنتے ہیں لہذا ان سے صرف نظر کر لیا جائے۔ لہذا اگر کوئی دینی اصول اور حکم الٰہی دنیا پر حاکم سیکولر نظام کے ساتھ متوارض ہو جاتا ہے اور اکثریت کی تنقید کا نشانہ بنتا ہے تو ہمیں اپنے مادی مفاد کی خاطر اس کے بارے میں خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس کی حفاظت کے لئے سعی و کوشش کرنی چاہیے اور دینی ثقافت کی خاطر اپنی جان و مال تک قربان کر دینا چاہیے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل ابتدیہ کرام علیہما السلام کی سیرت اور روش ہے کہ جنہوں نے مخالفین کی مخالفت کی پرواہ کے بغیر اپنے عقائد حقہ کو منطقی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے عقائد اور الٰہی معارف کو عوام الناس کے پسندیدہ عقائد اور خرافات کے مخالف ہونے کی وجہ سے اور اجتماعی نفرت و نزع سے بچنے کے بہانے پوشیدہ نہیں رکھا۔ یہاں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تحریک کی مثال پیش کر سکتے ہیں جس میں آپ نے اپنے اعتقادات کو منطقی استدلال کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اپنے مخالفین کے خرافات پر مبنی غیر عقلی عقائد و نظریات کو بھی منطق و عقل کی روشنی میں باطل ثابت کیا اور انسانوں کی عمومی عقل کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے الٰہی عقائد و معارف پیش کرتے ہوئے مشرکانہ معاشرے میں توحید کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی بڑی سازشوں کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت و صبر کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھنے کی تاکید فرمائی اور مشرکین کے ساتھ ہر قسم کی نرمی و مصالحت سے منع فرمایا:

”فَلَا تُطِعُ الْمُكَذِّبِينَ وَذُو الْوَتْدُهُنْ فَيُدْهِنُونَ وَلَا تُطِعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينَ۔“ (43)

ترجمہ: ”سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ (دین کے معاملے میں) آپ (بے جا) نرمی اختیار کر لیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کہانے والا انہماً ذلیل ہے۔“

”فَلَا تُطِعُ الْكُفَّارِينَ وَجَاهِدُهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔“ (44)

ترجمہ: ”ہر گز کفار کی اطاعت نہ کرو اور اس (اگر وہ قرآن اور دین حق کی مخالفت کریں تو) ان کے ساتھ بڑا جہاد کرو۔“

پیغمبر اکرم ﷺ کونہ فقط کفار و منافقین کے ساتھ نرمی اور مصالحت سے منع کیا گیا تھا بلکہ ان سے دوری اختیار کرنے پر بھی مامور کیا گیا تھا۔ آیت اللہ شہید مطہریؒ دین کے معاملے میں کفار کے ساتھ نرمی اور صلح جوئی کا روایہ اختیار کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ایک مسئلہ کہ جس کی وضاحت ضروری ہے وہ سہل انگاری کا مسئلہ ہے۔۔۔ کیا قرآن نے اس کام کی بطور کلی نفی کی ہے؟ یہاں دو باتیں ہیں: ایک قسم تو وہ جس کی قرآن نے بطور کلی نفی کی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کو کسی بھی صورت اجازت نہیں دی چہ جائیکہ غیر پیغمبر کو اجازت دے۔ اور وہ خود نظریہ اور فکر کی بنابر صلح جوئی اور نرمی اختیار کرنا ہے۔ جسے آج کل کی زبان میں آئندیا لو جی کہتے ہیں۔ یعنی ان سے کہا جائے آؤ تم بعض باتوں سے صرف نظر کر لو اور ہم بھی اپنی بعض باتوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ محل ہے کہ کوئی دین حق، دشمن کے ساتھ اس طرح مصالحت اور نرمی کرنے کی اجازت دے۔ حتیٰ ایک چھوٹا سا مستحب اور مکروہ بھی قابل مصالحت نہیں ہے۔ جو چیز وحی الٰہی کا حصہ ہے خواہ وہ چھوٹا سا مستحب یا مکروہ ہی کیوں نہ ہو، قبل مصالحت نہیں اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ایک دوسرا چیز ہے جس میں مصالحت اور صرف نظر کیا جاسکتا ہے؛ اُس کا تعلق عمل سے نہ عقیدے اور نظریے سے۔ یعنی وہ اصول اور آئندیا لو جی سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ ایک حکمت عملی ہے مثلاً ایک معابدہ ہے اور اگر ہم کسی سے کوئی معابدہ کرتے ہیں اور اسے نافذ کرتے وقت مصالحت کے طور پر فی الحال موخر کر دیتے ہیں۔ قرآن نے نبی اکرم ﷺ سے یہ اختیار سلب نہیں کیا۔“ (45)

اسلامی اصول اور آئینہ یا لوچی، اس قدر اہمیت رکھتی ہے حتیٰ پیغمبر اکرم ﷺ بھی کسی صورت میں ان میں کمی و پیشی کرنے کا حق نہیں رکھتے اور اگر ایسا کریں گے تو سخت ترین الٰی عتاب کے مستحق بن سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

”تَنْهِيْلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَيْنَ وَلُوْتَقْوَلَ عَيْنِنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَبِينِ ثُمَّ لَتَطْعَنَا مِنْهُ الْكُوْتَيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزٌ“۔ (46)

ترجمہ: ”(یہ) تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اگر وہ ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو یقیناً ہم اُن کو پوری قوت و قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ضرور اُن کی شرگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

اس سلسلے میں اسلام کی منطق جاہل کو آکاہ کرنا، فاسق کی تادیب کرنا، مخالفین کے سامنے برہان و دلیل قائم کرنا ہے نہ کہ اپنی دینی تعلیمات و معارف اور عقائد سے صرف نظر کرنا ہے۔ اسلام باطل کے مقابلے میں نزی کرنے اور رچند روزہ مادی مفادات کی خاطر خاموشی اختیار کرنے سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے اپنے الٰی اور مبین برحق اعتقادات کی خاطر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں اور خرافات اور ظالموں کے ظلم کے مقابلے میں قیام کرنے والوں کی مدح کی ہے۔ جس کی مثال قرآن مجید میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے جن کی مدح و ستائیش میں سورہ کہف کی آیات نازل ہوتی ہیں اور صبر و استقامت کرنے والوں کو بشارت الٰی دی جاتی ہے۔ (47)

### ثقافتی مفاسد کا سد باب کرنے کی ضرورت

ثقافت کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ابیانے کرام ﷺ کی جانب سے ثقافتی مفاسد کے خلاف جہاد کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن ثقافتی مفسدین کے خلاف انبیاء ﷺ کے سخت رویے کو نقل کرتا ہے اور ان کے اس کام کی مدح کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور انہیں اس لحاظ سے نمونہ عمل کے طور پر متعارف کرتا ہے مثلاً جب حضرت موسیٰ ﷺ کوہ طور سے واپسی پر دیکھتے ہیں کہ سامری نے اُن کی قوم کو گمراہ کر دیا ہے تو اس وقت حضرت موسیٰ ﷺ اس اعتقادی گمراہی کے مقابلے کے لئے چند قدم اٹھاتے ہیں جن میں سے ایک یہ کہ اپنے بھائی کا مواغذہ کرتے ہیں اور ان سے قوم کی اس گمراہی کے بارے میں پوچھ چکھ کرتے ہیں۔

اگرچہ اس مسئلے میں اُن کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ ﷺ کے اس عمل سے دوسروں پر واضح ہو جاتا ہے کہ قوم کی یہ گمراہی ایک سُگمین جرم ہے جس پر دوسرے تو در کنار وہ اپنے بھائی کا

بھی موآخذہ کر سکتے۔ اس کے بعد وہ اس گمراہی کے اصلی کردار یعنی سامری کی طرف جاتے ہیں، اور اس کو اس قدر شدید سزا دیتے ہیں کہ جو اس کے قتل سے بھی زیادہ سخت تھی۔ معاشرے سے دھنکار دینا اور اسے گوشہ نشینی پر مجبور کر کے اس کو ایک بخس اور پلید انسان کی شکل میں تبدیل کر دینا، سخت ترین سزا تھی۔ اس سزا کے بعد قوم کا ہر شخص اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پورا معاشرہ اس سے متغیر ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثقافتی گمراہی ایسا جرم ہے کہ جس کا ارتکاب کرنے والے قرآن کی نظر میں معاشرے کی نفرت اور لعنت کے مستحق قرار پانے چاہتیں۔ اس قرآنی قصے کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیات ۵۷ تا ۶۳ میں ذکر ہوئی ہے اور سورہ طہ کی آیات ۹۲ تا ۹۷ میں بھی اس قصے کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسراؤاقعہ پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کے منافقین کا ہے جو مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی نیت سے ایک مسجد بناتے ہیں۔ جسے قرآن ”مسجد ضرار“ کا نام دیتا ہے۔ یہ مسجد مسلمانوں میں ثقافتی فساد پیدا کرنے کے لئے بنائی گئی تھی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ منافقین رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا، ہمیں اجازت دیجیئے کہ ہم قبیلہ ”بني سالم“ کے درمیان ”مسجد قبا“ کے قریب ایک مسجد بنالیں تاکہ ناقلوں بیمار اور بوڑھے جو کوئی کام نہیں کر سکتے اس میں نماز پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح جن راتوں میں بارش ہوتی ہے ان میں جو لوگ آپ ﷺ کی مسجد میں نہیں آسکتے اپنے اسلامی فریضہ کو اس میں انجام دے لیا کریں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبر خدا ﷺ جنگ توک کا عزم کرچکے تھا آنحضرتؐ نے انھیں اجازت دے دی۔

انھوں نے مزید کہا: کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ خود آکر اس میں نماز پڑھیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس وقت تو میں سفر کا راہ کرچکا ہوں البتہ واپسی پر خدا نے چاٹوں اس مسجد میں آکر نماز پڑھوں گا۔ جب آپ ﷺ جنگ توک سے لوٹے تو یہ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری درخواست ہے کہ آپؐ ہماری مسجد میں آکر نماز پڑھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمیں برکت دے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی آنحضرت ﷺ مدینہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس وقت وحی خدا کا حامل فرشتہ نازل ہوا اور خدا کی طرف سے پیغام لاایا اور ان کے کروٹ سے پرده اٹھایا۔ اس مسجد کو بنانے کے سلسلے میں منافقین کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

”وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسَاجِدًا ضَرَارًا وَكُفْرًا وَتَقْرِيبًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّئِنْ حَارَبَ اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنَّ أَرْذَنَا إِلَّا الْحُسْنَى وَاللَّهُ يَشْهُدُ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ۔“ (48)

ترجمہ: ”اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور الہ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے (اس مسجد کے بنانے سے) سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔“ (49)

اس کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مذکورہ مسجد کو جلا دیا جائے اور اس کے باقی حصے کو مسماں کر دیا جائے اور اس جگہ پر کوڑا کر کٹ ڈالا جایا کرے۔

اس واقعہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا مسجد ضرار بنانے والے منافقین کے خلاف قاطعانہ قیام کرنا اور مسجد ضرار کو آگ لگادینے کا حکم دینا ثقافتی مفاسد کے خلاف اسلام کے سخت روئیے کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ یہ مسجد منافقین کی جانب سے لوگوں کو گراہ کرنے لئے بنائی گئی تھی اور مسلمان معاشرے میں ثقافتی فساد کا باعث بن رہی تھی۔

خلاصہ یہ کہ ثقافت ہی سے انسان کی پہچان ہوتی ہے اور انسانی زندگی کے دوسرا تمام پہلو اس کی ثقافت کے تابع ہوتے ہیں اور یہ ثقافت اندر وہی اور بیرونی عوامل سے اثر قبول کرتی ہے اور تمام انسانی اعتقادات، اقدار، نظریات اور علم و دانش، ہنر اور فنون اسی طرح رسوم و رواج اور معاشرتی عادات اس کے تحت تاثیر واقع ہوتی ہیں۔ اعتقادات اور اقدار کا ثقافت کو تشکیل دینے والے اہم ترین عناصر میں شمار ہوتا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید نے دینی اعتقادات اور اقدار کے حوالے سے ثقافت کی اہمیت اور معاشرے میں اس کے مقام کو اجاگر کیا ہے اور اس کی حفاظت کی تائید فرمائی۔ قرآن مجید کی ان تعلیمات کے بر عکس زندگی گزارنے اور ثقافتی مسائل میں سستی و سہل انگاری کی وجہ سے آج مسلمان معاشرے بے شمار مشکلات کا شکار ہو چکے ہیں۔

قرآن نظر سے اگر ہم اپنی موجودہ مشکلات کا جائزہ لیں تو واضح ہو جائے گا کہ ثقافتی مسائل کے بارے میں ہماری غفلت، سستی و سہل انگاری کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دلدل میں دھنستا جا رہا ہے، ہماری معیشت سے لے کر تعلیم و تربیت کا نظام، غیر اسلامی ثقافت کے تحت چل رہا ہے جس کے نتیجے میں نہ ہمیں معاشری امنیت حاصل ہے اور نہ اجتماعی امنیت۔ دن بدن ہمارا اجتماعی نظام بگڑ رہا ہے اور ہم اغیار کے دست نگر بن کر رہے گئے ہیں۔ چونکہ ہماری ثقافت ہی تباہ ہو چکی ہے لہذا وسری ہر چیز کی تباہی یقینی ہے۔ یہ قرآن کو تنہا چھوڑنے اور تعلیمات قرآن سے منزہ موڑنے کا نتیجہ ہے۔

\*\*\*\*\*

## حوالہ جات

- 1- محمد تقی جعفری، فرنگ پیر و فرنگ پیشو، ص ۳۵
- 2- فیض احمد فیض، پاکستانی کلچر اور قومی تشخص کی تلاش، ص ۲۲
- 3- جواد علی، تاریخ العرب والاسلام، ص ۱۷۳، ۱۶۹، آلوسی، بلوغ الارب، ج، ص ۲۱
- 4- سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳
- 5- شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ ج ۲، ص ۲۳۲۔
- 6- امام خمینی، صحیفہ امام، ج ۷، ص ۷۵
- 7- فیض احمد فیض، پاکستانی کلچر اور قومی تشخص کی تلاش، ص ۲۸
- 8- ایضاً
- 9- سورہ نحل، آیت ۳۶
- 10- سورہ آل عمران، آیت ۱۶۳
- 11- سورہ آل عمران، آیت ۳۳
- 12- سورہ بجادلہ، آیت ۱۱
- 13- کلینی، اکافی، ج، ص ۳۰
- 14- کلینی، اکافی، ج، ص ۳۲
- 15- شیخ صدق، الامالی، ص ۱۶۹
- 16- مندرجہ کا وسائل، ج ۷، ص ۳۰۱
- 17- بحوار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۳۵
- 18- روضۃ بنوا عظیمین، ج، ص ۱۲
- 19- سورہ انفال، آیت ۲۳
- 20- سورہ حمید، آیت ۱۷
- 21- سورہ فصلت، آیت ۳۹
- 22- سورہ انعام، آیت ۱۲۲
- 23- سورہ فجر، آیت ۲۲
- 24- سورہ فرقان، آیت ۵۸

- 25- شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۷، ص ۱۲۸
- 26- سورہ اعراف، آیت ۹۶
- 27- سورہ مائدہ، آیت ۶۶
- 28- سورہ حج، آیت ۳۰
- 29- طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، ج ۱۳، ص ۳۸۲
- 30- سورہ توبہ، آیت ۱۲۲
- 31- شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۸، ص ۲۵۵  
(الیضاً)-
- 32- (سورہ فرقان، آیت ۵۲)-
- 33- شیرازی، مکارم، تفسیر نور، ج ۲، ص ۲۶۹
- 34- سورہ علق، آیت ۵
- 35- شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۷، ص ۱۵۹
- 36- سورہ قلم، آیت ۱
- 37- شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج ۷، ص ۱۶۰
- 38- سورہ لقہ، آیت ۱۱۳
- 39- سورہ انعام، آیت ۹۳
- 40- سورہ انعام، آیت ۱۳۳
- 41- سورہ صاف، آیت ۷
- 42- سورہ قلم، آیت ۸
- 43- سورہ فرقان، آیت ۵۲
- 44- مطہری، مجموعہ آثار، ج ۷، ص ۲۸۲
- 45- سورہ الحلقۃ، آیت ۷۴
- 46- سورہ کہف، آیات ۲۰ تا ۲۹
- 47- سورہ توبہ، آیت ۱۰۷
- 48- مسجد ضرار کا واقعہ سورہ توبہ ۷۰ میں بیان ہوا ہے
- 49- مسجد ضرار کا واقعہ سورہ توبہ ۷۰ میں بیان ہوا ہے